AL-ILM Journal

Volume 6, Issue 1

ISSN (Print): 2618-1134
ISSN (Electronic): 2618-1142

Issue: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/
URL: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/

Title قدرتی وسائل سے متعلقہ قرآنی تعلیمات

Author (s): Muhammad Ashfaq
Dr Hafiz Farhan Arshad
Prof. Dr Hafiz Mahmood Akhtar

Received on: 30 April, 2022
Accepted on: 10 June, 2022

Published on: 25 June, 2022
Citation: English Names of Authors, “Qudarti Wasael sy Mutalqa Quraani Taleemat”, AL-ILM 6 no 1(2022):40-62

Publisher: Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot

قدرتی وسائل سے متعلقہ قرآنی تعلیمات

محمد اشفاق*

ڈاکٹر حافظ فرحان ارشد**

ڈاکٹر حافظ محمود اختر***

Abstract

Revelations in the Quran about the Earth's Natural Resources highlight their significance from several aspects. According to Quranic teachings, natural resources are a God's bounty on the entire human race. Hence, they should be a source of drawing man's attention towards (and not away from) his Creator. Moreover, Quranic teachings also emphasize the fact that man has been bestowed with all the knowledge and the capabilities required to discover and utilize natural resources on Earth. The Quran also lays emphasis on the fact that different resources will be made accessible to humanity in different periods of its existences on Earth. Hence, man is duty bound to utilize the resources he discovers to the best of his abilities. Quranic teachings also highlight that the discovery and use of natural resources are instances about which man will be held accountable in the Hereafter.

Keywords: Qura'an, Natural, Earth, Resource, fact

تعارف

قدرتی وسائل سے متعلق قرآنی تعلیمات کے کئی نمایاں پہلو ہیں؛ اول یہ کہ یہ اللہ کی نعمتیں اور احسان ہیں لہذا انسان کی توجہ ہمیشہ اپنے منعم و محسن کی طرف ہونی چاہیے، دوم یہ کہ یہ فائدہ اٹھانے کے لیے ہیں اور ہر چیز میں استفادہ کا عنصر موجود ہے، سوم یہ کہ ان وسائل اور نعمتوں کے بارے میں لازما سوال ہو گا یعنی ان کو استعمال کیا یا نہیں ؟ اگر کیا تو مثبت مقاصد کے لیے یا پھر تخریبی ؟، چہارم یہ کہ اللہ نے ان نعمتوں اور وسائل سے استفادہ کی صلاحیتیں انسان میں ودیعت کر دی ہیں اور انہیں کام میں لانے کا حکم ہے، پنجم یہ کہ یہ چیزیں مخصوص دائرے یعنی قوانین فطرت پر بند ہیں، انسان استفادہ کے لیے ان قوانین کو دریافت کرے اور ان کی دریافت کے ساتھ ساتھ اشیاء کائنات سے فائدہ اٹھانے کی راہ ہموار ہو گی، ششم یہ کہ قرآن مجید نے مختلف مادی وسائل جن پر انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کا مدار ہے کو قدرت الہی، مضبوطی ایمان اور غور و فکر کے بعد استفادہ کے حکم کے طور پر

---

*پی۔ایچ۔ڈی سکالر، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

***صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

پیش کرتا ہے اور ہفتم یہ کہ اللہ انسانوں کے لیے ہر دور میں مختلف اشیاء پیدا کرتے رہیں گے، اس بات میں یہ نکتہ بھی پنہاں ہے کہ انسانی تحقیق اور قوانین فطرت کی دریافت کا عمل رکنا نہیں چاہیے بلکہ اس میں وسعت پذیری کا رویہ اپنانا ہو گا۔

سابقہ کام کا تحقیقی جائزہ

قدرتی وسائل کے حوالہ سے اب تک مختلف نوعیت کے علمی و تحقیقی کام انگلش اور اردو لٹریچر میں ہو چکے ہیں۔ وسائل کے حوالہ سے معدنیات، پانی، جنگلات وغیرہ ان وسائل کے ذرائع اور ان کا تحفظ کیسے کیا جا سکے، ان پر تو علمی و تحقیقی رسائل موجود ہیں لیکن قدرتی وسائل کے بارے میں قرآنی تعلیمات کیا ہیں اس منتخب عنوان سے ابھی تک کام باقی ہے اس لیے میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔

نعمت خداوندی

اول یہ کہ یہ اللہ کی نعمتیں اور احسان ہیں لہذا انسان کی توجہ ہمیشہ اپنے منعم و محسن کی طرف ہونی چاہیے۔ دنیا کی نعمتیں عطاء کیے جانے، رزق کی فراہمی، آسودگی اور آسائشوں کی فراہمی اللہ تعالی کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ قران مجید میں اللہ تعالی بسا مقامات انسان کو یہ احساس دلاتے ہیں اور انسان کی توجہ اس پہلو کی طرف مبذول کرواتے ہیں کہ اس کی عطاء کردہ نعمتوں کی طرف ہر لحہ تمہاری توجہ ہونی چاہیے اور اس سلسلہ اللہ تعالی اپنا یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے یہ نعمتیں کافر و مسلم، فرماں بردار و نافرمان سبھی کے لیے رکھی ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ[1]

(مزین کی گئی ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں دنیا کی زندگی اور وہ مسخرہ کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے حالانکہ وہ لوگ جو کفر اور شرک سے بچتے ہیں ان کے اوپر ہوں گے قیامت والے دن اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی آسائشیں اور مال و ثروت کی دستیابی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کافروں کو بھی ہے اور ان وسائل زیست کا میسر ہونا اس بات کا متقاضی تھا کہ اس منعم حقیقی کا شکریہ ادا کیا جاتا، اس کی تعظیم کی جاتی اور اس کی عملی صورت یہ تھی کہ اس کے پیغمبر ﷺ کی اتباع کی جاتی کیونکہ وہ اللہ کا نمائندہ، وہی صحیح بتا سکتا ہے کہ ذات باری تعالی شکر کے کس انداز اور طریقے ساے راضی ہوتی ہے؟، رزق کی فراوانی اس کی رضا کی علامت نہیں، اس کی رضا اس چیز اور رویہ میں مضمر ہے کہ رزق دینے والے والی کی طرف توجہ کی جائے، اس

کے احسانات کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے اور ایمان و اسلام اور شکر گزاری سے اعراض کر کے کفرانِ نعمت اور ناشکری سے بچا جائے، امام المفسرین محمد بن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زيِّن للذين كفروا حبُّ الحياة الدنيا العاجلة اللذات، فهم يبتغون فيها المكاثرة والمفاخرة، ويطلبون فيها الرياسات والمباهاة، ويستكبرون عن اتباعك يا محمد، والإقرار بما جئت به من عندي، تعظُّمًا منهم على من صدَّقك واتبعك[2]

(کافروں کے لیے دنیا کی محبت اور لذات کو مزین کیا گیا ہے، وہ اس سلسلہ کثرت و فخر کے پیچھے چلتے ہیں اور اس میں ریاست اور شیخیاں طلب کرتے ہیں اور اے محمد تیری اتباع اور اس اقرار سے اعراض کرتے ہیں جس کو تو میری طرف سے لے کر آیا ہے، اپنے آپ کو بڑا بنا کر پیش کرتے ہوئے اس پر جس نے آپ کی تصدیق و اتباع کی)

اس عبارت سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وسائل زیست اللہ کے ہی پیدا کردہ ہیں، ان سے مقصود محض دنیوی دنیوی جاہ و جلال نہیں بلکہ اس ذات کی جلالت شان کو دل میں جاگزیں رکھنا ہے جس نے ان تمام وسائل کو پیدا کیا اور اس جلالت شان اور تعظیم یہ ہے کہ اس کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت کی جائے اور تکبر و تعنت اور کفر و عصیان سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ اہل ایمان کا شیوہ ہے، اسی آیت کی تعظیم میں ابن جریر طبری مزید لکھتے ہیں:

والذين عملوا لي وأقبلوا على طاعتي، ورفضوا لذات الدنيا وشهواتها، اتباعًا لك، وطلبًا لما عندي، واتقاءً منهم بأداء فرائضي، وتجنُّب معاصيَّ = فوق الذين كفروا يوم القيامة، بإدخال المتقين الجنة، وإدخال الذين كفروا النار.[3]

(اور جنہوں نے میرے لیے عمل کیا اور میری اطاعت پر متوجہ ہوئے اور دنیوی لذات و شہوات کو ترک کر دیا، تیری اتباع کرتے ہوئے اور جو میرے پاس ہے اس کو طلب کرتے ہوئے اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اور میری نافرمانی اور معصیت سے بچتے ہوئے، یہ قیامت کے دن کافروں سے اوپر ہوں گے، متقین کے جنت میں داخلے اور کافروں کے آگ میں دخول کے ساتھ)

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابن جریر کی وضاحت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر ایک آسائشیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور ان کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایمان و عمل صالح کے ساتھ ذات الٰہ کی طرف متوجہ رہیں اور اس کی تعظیم و جلالت کے تصور کو ہر دم اور قدم بقدم قائم رکھیں۔

رات کو دن میں داخل کرنا اور دن کی چاندنی اور منور چادر پر رات کی سیاہ اور پر سکون چادر ڈال دینا، زندگی اور موت کی پیدائش، زندگی کے آثار اور اسباب سے موت کا ظہور اور موت و بے آبادی کے اسباب سے حیات و

راحت کو پیدا کرنا بھی اس کی قدرت اور نعمتوں سے ہے، اس کے ساتھ ساتھ وافر مقدار میں وسائل حیات اور بے حساب رزق اس کی رازق اور قدیر و حکیم ذات کی ہی شان الوہیت میں سے ہے، قرآن حکیم میں ہے:

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ[4]

(تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور تو داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے)

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرنا، جان ڈالنا اور جان نکالنا اور بے پناہ رزق اللہ کے دست قدرت میں ہے، وہی اپنی صفت ربوبیت کا اظہار کرتے ہوئے ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ میں مخاطب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں جن سے یہ بات عیاں، واضح اور آشکار ہوتی ہے کہ آیت میں مذکور تمام چیزوں بشمول رزق اور اسباب و وسائل معاش سب کی نسبت اللہ ہی کی طرف کی جائے اور ہر دم اس نسبت کی طرف توجہ اور دھیان دل میں جاگزیں رکھتے ہوئے عظمت خداوندی کو مانا جائے اور اس کی عظمت اور شان و قدرت کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کے رزق کے خزانے ختم نہیں ہوتے، اس کو فنا کا کوئی ڈر نہیں اور اس کو کوئی کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کس کو کتنا دیا اور کیوں دیا، علامہ ابن جریر اس آیت کی تفسیر کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

يخرج الرزق من عنده بغير حساب، لا يخاف أن ينقُص ما عنده تبارك وتعالى[5]

(اس کے ہاں سے رزق بے حساب نکلتا ہے، جو اس کے پاس ہے وہ اس میں کم ہونے سے نہیں ڈرتا)

اس عبارت سے بھی یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ رزق کے خزانے اللہ کے پاس اور اس کو اس بات کا ڈر نہیں کہ عطائے رزق سے اس کے خزانوں میں کمی آجائے گی اس لیے انسان کو چاہیے کہ رزق بھی اس سے مانگے اور رزق کے آنے کے بعد بھی اس کی توجہ اس ذات کی طرف ہمہ دم مبزول رہے جس نے اس کو یہ نعمت عطاء کی ہے۔ اللہ ایسی عظیم الشان ذات ہے کہ اس کی حقیقی عظمت ہمارے وہم و گمان اور عقل و شعور سے بھی زیادہ، ہماری محدود عقل اس کی لامحدود قدرتوں کا ادراک نہیں کر سکتی، اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک اس کی صفت تخلیق ہے، وہ ایسی خالق ذات ہے جس نے بغیر اسباب و آلات اور ذرائع کے ساری کائنات پیدا کر دی اور اس کی خلق میں سے وسائل و ذرائع رزق بھی ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[6]

(اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سارا پھر اس نے ارادہ کیا آسمان کی طرف پس برابر کر دیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے)

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ ذات عظیم الشان ذات ہے، اس کی عظمت و قدرت اور شان و مقام اس قدر اعلی ہے کہ وہ شعور و عقل اور فہم و ادراک س بالاتر "الذی" اسم موصول کا استعمال اس کی طرف مشیر ہے، پھر اس کے صفت خلق کا لانا اس بات کی طرف اشارہ بلکہ واضح بیان ہے کہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک صفت خلق اور تخلیق کی انواع میں سے ایک اسباب و ذرائع اور وسائل رزق ہیں، صرف زمین ہی نہیں بلکہ آسمان میں بھی ان وسائل کو پیدا کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، پیدائش کے بعد ان پر بادشاہ، مدبر اور حاکم ذات بھی اللہ ہی کی ہے اس لیے انسان پر ضروری کہ وہ صاحب عرش اور صاحب اختیار ذات کی طرف توجہ کرے، تمام وسائل بشمول رزق کو اس کی طرف سے ہی عطاء جانے اور اس بخشش پر اللہ کا شکر بجالائے، صرف اسی کی عبادت کرے اور عبادت کی ایک صورت یہ ہے کہ ان وسائل کا استعمال اس کے حکم اور مرضی کے مطابق کرے۔

اسباب زیست اور وسائل میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر انسان کا اختیار نہیں چلتا، ان پر اختیار و تدبیر صرف اور صرف اللہ کی ہے اور ان میں سے اکثر انسانی دسترس سے بھی باہر ہیں لیکن اس سے فوائد اور ثمرات انسان پاتا، وہ کسی نہ کسی طرح انسان کی خدمت پر مامور ہیں، ان سے حاصل شدہ نفع کی بنا انسان پر لازم ہے کہ وہ ان نعمتوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ ان کو اللہ کی قدرت کی نشانی کے طور پر بھی جانے اور دل میں اللہ کی عقیدت و عظمت کو پیوست کرے، قرآن حکیم میں ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ[7]

(اور وہ چیز جو اس نے پیدا کی ہے تمہارے لیے زمین میں مختلف ہیں رنگ اس کے بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے)

اس آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

بأن هيأها لمنافعكم. مُسَخَّراتٌ بِأَمْرِهِ حال من الجميع أي نفعكم بها حال كونها مسخرات لله تعالى خلقها ودبرها كيف شاء، أو لما خلقن له بإيجاده وتقديره أو لحكمه[8]

(بے شک اس نے ان کو تمہارے منافع کے لیے بنایا ہے "مسخرات بامرہ (تمہارے نفع کے لیے مسخر کیا)" یعنی تمہارے نفع کے لیے اس حال میں کہ وہ اللہ کے حکم سے مسخر ہیں، اس نے ان کو پیدا کیا اور ان کی جس طرح چاہا تدبیر کی اواس وجہ سے کہ اس نے ان کو اس کے لیے اپنی ایجاد، اندازے اور حکم سے پیدا کیا)

قاضی بیضاوی کی عبارت سے بھی واضح ہوا کہ ان نعمتوں سے انسان کی توجہ اس جانب جانی چاہیے کہ اللہ نے ان کو اپنی کمال قدرت سے پیدا، وہی ان کی تدبیر کرتا ہے ہذا انسان اس سلسلہ سرف اسی کا شکریہ ادا کریں، مزید یہ کہ مذکورہ بالا آیت میں لفظ "بامرہ" اور "لآیات" و "یعقلون" سے بطور دلالۃ النص یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ ان چیزوں میں قدرت و حکم خداوندی کو ماننا انسان پر ضروری اور توجہ کی ایک صورت تعقل ہے۔

اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں سے کچھ ایسی ہیں جن کا تعلق زمین سے ہے اور انسان ان میں کسب و عمل کر کے روزی و روٹی اور اسباب حیات کو حاصل کرتا ہے، جیسے زمین سے کھیتی و اناج وغیرہ کا حصول و تحصیل، قرآن حکیم میں ہے:

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۹

(اور وہ چیز جو اس نے پیدا کی ہے تمہارے لیے زمین میں مختلف ہیں رنگ اس کے بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں کچھ انسانی کسب و عمل کا دخل ہے، ان کی مختلف اقسام ہیں اور رنگارنگ اور متنوع طبعیتیں ہیں جو خوش نما منظر پیش کرتی، وہ انسانی عقل پر دستک دیتی ہیں کہ اتنی خوبصورت اور خوش منظر اشیاء میں کسی حکیم ذات کی طرف سے ہی ہو سکتی، ان سے انسانی توجہ اور فکر صانع، خالق اور اور مدبر ذات یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہونی چاہیے، قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن اختلافها في الطباع والهيئات والمناظر ليس إلا بصنع صانع حكيم [10]

(بے شک ان چیزوں کی طبعیتوں، بناوٹ اور خوش نمائی میں اختلاف صرف حکیم صانع کی بناوٹ سے ہے)

اللہ کے انسان پر احسانات میں یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو سمندر پر سواری کے لیے قدرت دی، وہ سمندر سے قسم قسم کی مچھلی حاصل کرتا ہے اور ان کے ذائقوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، وہ سمندر سے ہیرے جواہرات اور دیگر اشیاء مثلاً معدنیات اور گیسیں وغیرہ حاصل کرتا ہے، جس سے اس کے معاش اور توانائی کی ضرورت پوری ہوتی ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ ان فائدہ مند اشیاء سے فوائد کے حصول و تحصیل کے ساتھ ساتھ اس رب رحمن کا شکر بھی ادا کرے جس نے سمندر کے سینے اور تہہ میں انسانی ضروریات کا انتظام کیا اور سمندر جو بظاہر انسان کے لیے خوف و ہلاکت کی تصویر ہے اس میں اس کی زندگی کی بقا، نفع اور حفاظت کا سامان پیدا کیا، قرآن حکیم ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [11]

(اور وہ ذات ہے جس نے تابع کیا سمندر کو تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو تم اس سے زیور جس کو تم پہنتے ہو اور اے مخاطب تو دیکھتا ہے کشتیوں کو جو چیرتی ہوئی جاتی ہیں اس میں اور تاکہ تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور تاکہ تم شکریہ ادا کرو)

اس آیت میں مذکور ساری نعمتوں کو انسان کے لیے پیدا اور مسخر کیا گیا، اب انسان کو بھی شکر گزار ہونا چاہیے، قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

تعرفون نعم الله تعالى فتقومون بحقها، ولعل تخصيصه بتعقيب الشكر لأنه أقوى في باب الأنعام من حيث أنه جعل المهالك سبباً للانتفاع وتحصيل المعاش.[12]

((تاکہ تم) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانو پھر تم ان کے حقوق کو قائم رکھو، شاید کہ اس کے بعد شکر کی تخصیص اس لیے ہے کیونکہ یہ سب سے مضبوط انعام ہے اس طرح کہ اس نے اسباب ہلاکت نفع اور تحصیل معاش کا ذریعہ بنا دیا)

مذکورہ بالا نعمتوں کے علاوہ زمین پر پہاڑ، رستے اور رہنمائی و ہدایت سے بھرپور ستارے اور اجرام فلکی یہ سب نعمتیں خواہ زمین پر ہوں یا آسمان پر، انسانی دسترس میں ہوں یا انسان کے لیے مسخر، یہ سب ایک وحدت ہیں، سب کا مبدا اور معاد، سب کی ابتداء اور انتہاء، سب کی تخلیق اور انتفاع ایک ہی ذات کی طرف راجع ہے، جس کا کوئی ہمسر نہیں، جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کی کوئی مثل نہیں، مثال نہیں، اس جیسا کوئی مدبر اور کارساز و جاننے والا نہیں، وہ جانتا ہے کہ اس نے مخلوق کے لیے کیا پیدا کرنا ہے، اس کی قدرت کی نشانیاں جہاں میں ہر سو واضح، آشکار، بکھری اور عیاں ہیں، انسان اس کی نعمتوں، قدرتوں اور کارسازیوں کو شمار کر شروع کر دے تو نہیں کر سکتا بالآخر ہدایت کا متلاشی، اس کی شان الوہیت کا قدر دان بندہ اس کی بندگی پر پختہ ہو جاتا ہے، وہ اس ذات مغفرت اور رحمت سے امیدیں وابستہ کر کے اپنے آپ کو اس کے سپرد دیتا ہے اور اس کے پیدا کردہ اسباب معاش، وسائل زیست اور ذرائع حیات کی نسبت اسی کی طرف کر کے اس سلسلہ اس کے احکامات کی پابندی کر کے اس کی رحمت اور بخشش کو حاصل کر لیتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [13]

(اور ڈالے اللہ تعالیٰ نے زمین میں مضبوط پہاڑ تاکہ زمین تمہارے ساتھ مضطرب نہ ہو اور نہریں چلائیں اور راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ اور کئی علامتیں مقرر کیں اور ستاروں کے ذریعے وہ راہنمائی حاصل کرتے ہیں، کیا پس وہ ذات جو پیدا کرتی ہے اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کر سکتا کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو شمار نہیں کر سکتے بیشک اللہ تعالیٰ البتہ بخشنے والا مہربان ہے)

قرآن حکیم کی اس آیت سے بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جہاں میں ہر سو اسی کی پیدا کردہ نعمتیں ہیں، اس جیسا کوئی نہیں، وہ خالق ہے، وہی پرورش کر رہا ہے اور وہی مدبر ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اس کی بندگی کرے اور ان نعمتوں کی نسبت غیروں کی طرف مت کرے، یہی وہ رستہ جو ہدایت پر مبنی ہے، یہی وہ راہ جس پر چل کر اللہ کی مغفرت کا حصول ممکن ہے اور یہی وہ شاہراہ جس پر ہر دم اس بے مثل خالق کی رحمتیں انسان پر نثار اور نچھاور ہوتی رہتی ہیں۔

بہر حال قدرتی وسائل سے بارہ قرآنی تعلیمات کے کئی نمایاں پہلوؤں میں سے اول یہ کہ یہ اللہ کی نعمتیں اور احسان ہیں لہذا انسان کی توجہ ہمیشہ اپنے منعم و محسن کی طرف ہونی چاہیے۔ دنیا کی نعمتیں عطاء کیے جانے، رزق کی فراہمی، آسودگی اور آسائشوں کی فراہمی اللہ تعالی کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ قران مجید میں اللہ تعالی بسا مقامات انسان کو یہ احساس دلاتے ہیں اور انسان کی توجہ اس پہلو کی طرف مبذول کرواتے ہیں کہ اس کی عطاء کردہ نعمتوں کی طرف ہر لمحہ تمہاری توجہ ہونی چاہیے اور اس سلسلہ اللہ تعالی اپنا یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے یہ نعمتیں کافر و مسلم، فرماں بردار و نافرمان سبھی کے لیے رکھی ہیں۔

قدرتی وسائل سے استفادہ کا حکم

دوم یہ کہ یہ نعمتیں اور وسائل فائدہ اٹھانے کے لیے ہیں اور ہر چیز میں استفادہ کا عنصر موجود ہے اور انسان کو چاہیے کہ جو چیز اس کے فائدے کے لیے تخلیق اس میں استفادہ کی صورت تلاش کر کے اسے اپنے مالک و صاحب اختیار کی رضا کے تابع کر دے، قرآن حکیم میں ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ [14]

(اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سارا پھر اس نے ارادہ کیا آسمان کی طرف پس برابر کر دیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے)

آیت مذکو میں آنے والے لفظ "لکم" دو حصوں پر مشتمل ہے؛ ایک "ل" اور دوسرا "کم" پہلے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پیدا کردہ ہر چیز میں کسی نا کسی اعتبار سے فائدہ، افادہ اور استفادہ کا پہلو موجود ہے، جبکہ

دوسرے لفظ سے جمع مخاطب کی ضمیر سے مراد سارے انسان ہے تو اس لفظ کا مرادی معنی ہے کہ کائنات میں پیدا شدہ تمام اشیاء میں فائدہ، افادہ اور استفادہ کا عنصر موجود ہے۔ اب انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست اور عقل سے کام لیتے ہوئے کہاں تک اس کو کار آمد بناتا ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق، اس میں موجود تمام اشیاء کسی نہ کسی اعتبار سے انسان کے دنیوی اور اخروی فائدے کے لیے ہیں، دنیوی فائدے کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ کائنات خاص کر زمین انسان کے لیے مسکن اور اس کی سر گرمیوں کی جولان گاہ ہے جبکہ اخروی اعتبار سے فائدے کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان مصنوع سے صانع اور اس کی صفات، محدث سے خالق اور قدیم سے حادث کو جدا کرتا ہے، وہ اپنے خالق و الہ کی پہچان اور معرفت حاصل کرتا ہے اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کی کار سازی کا معترف ہو جاتا، اس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس میں لگ جاتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [15]

(جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے (اور پکار اٹھتے) ہیں۔"اے ہمارے پروردگار! تونے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا تیری ذات اس سے پاک ہے۔ پس (اے پروردگار)! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات خاص کر زمین انسان کے لیے مسکن و مستقر ہے اور اس میں قدرت خداوندی عیاں اور آشکار ہیں جو انسان کو معرفت خداوندی تک لے جاتی ہیں اور انسان بے ساختہ اللہ کی تسبیح و ذکر میں رہتا اور اس کی توجہ کا مرکز محض ایک ہی ذات ہو جاتی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات، اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی مزید لکھتے ہیں:

مَا خَلَقْتَهُ بَاطِلًا بِغَيْرِ حِكْمَةٍ بَلْ خَلَقْتَهُ بِحِكْمَةٍ عَظِيمَةٍ، وَهِيَ أَنْ تَجْعَلَهَا مَسَاكِنَ لِلْمُكَلَّفِينَ الَّذِينَ اشْتَغَلُوا بِطَاعَتِكَ وَتَحَرَّزُوا عَنْ مَعْصِيَتِكَ[16]

(تونے اس کو باطل نہیں بنایا، بلکہ تونے ایک عظیم حکمت کے تحت اس کو بنایا ہے اور تونے اس کو مکلفین کے رہنے کی جگہ ہے جس میں وہ تیری اطاعت میں مشغول رہیں اور تیری نافرمانی سے احتراز کریں)

اللہ زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کو بے مقصد نہیں بنایا ہے اور وہ مقصد ہے اخروی زندگی کے عظیم منافع کو حاصل کیا، اسے محض دنیوی زندگی اور اس کے منافع کے لیے نہیں بنایا کیونکہ یہاں منافع سے زیادہ

مضرت کا پہلو انسان پر غالب رہتا ہے لہذا محض دنیوی زندگی اور اس کے حصول پر زندگیوں کو کھپانا باطل ہے، قرآن حکیم ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ[17]

(اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ چیزیں فضول ہی پیدا نہیں کر دیں۔ یہ تو ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے دوزخ کی آگ سے ہلاکت ہے)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی علمی و عقلی انداز یوں لکھتے ہیں:

فَإِمَّا أَنْ يُقَالَ إِنَّهُ خَلَقَهُمْ لِلْإِضْرَارِ أَوْ لِلْإِنْفَاعِ أَوْ لَا لِلْإِنْفَاعِ وَلَا لِلْإِضْرَارِ وَالْأَوَّلُ بَاطِلٌ لِأَنَّ ذٰلِكَ لَا يَلِيقُ بِالرَّحِيمِ الْكَرِيمِ، وَالثَّالِثُ أَيْضًا بَاطِلٌ لِأَنَّ هٰذِهِ الْحَالَةَ حَاصِلَةٌ حِينَ كَانُوا مَعْدُومِينَ، فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَنْ يُقَالَ إِنَّهُ خَلَقَهُمْ لِلْإِنْفَاعِ، فَنَقُولُ وَذٰلِكَ الْإِنْفَاعُ إِمَّا أَنْ يَكُونَ فِي حَيَاةِ الدُّنْيَا أَوْ فِي حَيَاةِ الْآخِرَةِ، وَالْأَوَّلُ بَاطِلٌ لِأَنَّ مَنَافِعَ الدُّنْيَا قَلِيلَةٌ وَمَضَارَّهَا كَثِيرَةٌ، وَتَحَمُّلُ الْمَضَارِّ الْكَثِيرَةِ لِلْمَنْفَعَةِ الْقَلِيلَةِ لَا يَلِيقُ بِالْحِكْمَةِ[18]

(یا تو یہ کہا جائے کہ اس کو اس نے اضرار کے لیے یا انفاع کے لیے یا نہ ہی انفاع کے لیے اور نہ ہی اضرار کے لیے پیدا کیا ہے۔ اول باطل ہے کیونکہ یہ رحیم و کریم ذات کے شایان شان نہیں اور ثالث بھی باطل ہے کیونکہ یہ حالت تو اس وقت بھی باطل تھی جب وہ معدوم تھے تو باقی یہی بچتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس نے ان کو انفاع کے لیے پیدا کیا ہے تو ہم یہی کہتے ہیں، یا تو یہ دنیا کی زندگی میں ہو گا یا آخرت کی زندگی میں، اول باطل ہے کیونکہ دنیا کے منافع تھوڑے اور اس کے نقصانات زیادہ ہیں اور تھوڑے نفع کے لیے زیادہ نقصان کا خطرہ مول لینا حکمت کے لائق اور شایان شان نہیں)

بہر حال اس آیت اور امام کی تفسیر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دنیا انسان کے فائدے کے لیے اور حقیقی فائدہ اس نے حاصل کیا جس نے اس دنیا کو اس طریقے سے کام میں لایا کہ اس کی آخرت کی نفع سے بھرپور زندگی بن گئی۔ انسانی فوائد کے لیے پیدا کی جانے والی چیزوں میں سے انسان کی سماعت بصارت، دل و دماغ اور فہم و شعور۔ ان چیزوں کے ذریعے ہی انسان دیگر فائدہ مند اشیاء سے استفادہ کرتا ہے اور مادی فوائد کے ساتھ ساتھ ان کے ذریعے ہی اپنے رب کی اطاعت اور فرماں برداری میں ان کا کام میں لاتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[19]

(اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حال میں) نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے انسان کو مختلف جوارح، اعضاء اور صلاحتیں فائدہ حاصل کرنے کے لیے دی گئی ہیں، انسان کو چاہیے کہ ان جوارح، اعضاء، صلاحیتوں اور ان سے حاصل شدہ منافع کا رخ تعمیر انسانیت اور اخری زندگی کی طرف کر دے، اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

إِنَّمَا جَعَلَ تَعَالَى هَذِهِ فِي الْإِنْسَانِ لِيَتَمَكَّنَ بِهَا مِنْ عِبَادَةِ رَبِّهِ تَعَالَى، فَيَسْتَعِينُ بِكُلِّ جَارِحَةٍ وَعُضْوٍ وَقُوَّةٍ عَلَى طَاعَةِ مَوْلَاهُ[20]

(اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ (جوارح، اعضاء اور صلاحیتیں) اس لیے ودیعت کی ہیں تاکہ ان کے ذریعے وہ اپنے رب کی عبادت پر قدرت حاصل کر سکے اور وہ ہر جارح، عضو اور قوت سے اپنے مولا کی اطاعت پر مدد حاصل کر سکے)

کائنات اور اس میں موجود اشیاء سے فائدہ کی ایک صورت فضا ہے اور اس میں مسخر پرندے ہیں، انسان کو چاہیے کہ ان پرندوں کے اڑنے سے فائدے کی صورت نکالے اور انسان نے ہوائی جہاز وغیرہ بنا کر فائدے کی ایک جہت پر قدرت حاصل کی لی ہے لیکن ابھی بھی اس میں غور و فکر اور استفادے کے کئی پہلو موجود ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[21]

(کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمانی فضا میں کیسے مسخر ہیں۔ انھیں اللہ ہی تھامے ہوئے ہے، جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)

پرندے کے اڑنے بھی فائدے کی ایک صورت ایمان اور توجہ الی اللہ کی تازگی کے ساتھ ساتھ قوانین فطرت کو تلاش کر کے مادی فوائد کے وسیع مواقع بھی فضا میں موجود ہیں اور اس کی ایک سمت یہ بھی ہے بلندی پر جا کر آلودگی، اسپرے، روشنی اور شہری انتظام کی بہت سی جہتیں فضا میں پوشیدہ ہیں جن کو کام میں لانا جدید معاشروں کی ضرورت اور شدید تقاضا ہے، مزید اس آیت کی تفسیر میں علامہ سعدی لکھتے ہیں:

لأنهم المنتفعون بآيات الله المتفكرون فيما جعلت آية عليه، وأما غيرهم فإن نظرهم نظر لهو وغفلة، ووجه الآية فيها أن الله تعالى خلقها بخلقة تصلح للطيران، ثم سخر لها هذا الهواء اللطيف ثم أودع فيها من قوة الحركة وما قدرت به على ذلك، وذلك دليل على كمال حكمته وعلمه الواسع وعنايته الربانية بجميع مخلوقاته وكمال اقتداره، تبارك الله رب العالمين[22]

(کیونکہ وہ آیات اللہ میں غور وفکر کرکے، جس مقصد کے لیے آیت آئی، ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ سستی اور لہو وغفلت میں ہیں اور اس آیت میں اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس نے ہوا و فضا کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ اڑنے کے قابل ہو، پھر اس لطیف ہوا کو مسخر کر دیا ہے پھر اس میں حرکت کی قوت رکھ دی اور وہ کیسے خوب اس پر قادر ہے، یہ اس کی کمال قدرت۔ وسیع علم اور تمام مخلوقات پر اللہ کی عطاء اور کمال اقتدار کی دلیل ہے، برکت والی ہے اللہ کی ذات جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)

بہر حال مذکورہ بالا آیت اور علامہ سعدی کی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کائنات اور اس میں موجود اشیاء سے ایمان و آخرت کے ساتھ ساتھ فائدہ کی ایک صورت فضا ہے اور اس میں مسخر پرندے ہیں، انسان کو چاہیے کہ ان پرندوں کے اڑنے سے فائدے کی صورت نکالے اور انسان نے ہوائی جہاز وغیرہ بنا کر فائدے کی ایک جہت پر قدرت حاصل کی لی ہے لیکن ابھی بھی اس میں غور وفکر اور استفادے کے کئی پہلو موجود ہیں۔

بہت سے مادی وسائل ایسے ہیں جن سے دن رات انسان کا واسطہ پڑتا ہے، رہنے کے لیے گھر، پہننے کے لیے کپڑا، جانور پھر ان کا گوشت، ان کے بال، اون اور چمڑا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ آج کے ترقی یافتہ دور بھی بہت سی صنعتیں ان پر قائم ہیں اور انسان ان کے فوائد سے مستفید ہو رہا ہے، انسان کو چاہیے زیادہ منافع کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسی صنعتوں کو فروغ دے جو معاشرے کے باسیوں کی بنیادی ضرورت پوری ہونے کا ذریعہ بنیں اور یہ بھی اللہ کی فرماں برادری ہی کی ایک صورت ہے کہ کاروبار کو اس نہج پر کرنا جس کوق کدا کی زیادہ سے زیادہ ضروریات پوری ہوں، قرآن حکیم میں ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ [23]

(اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا اور چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے گھر (خیمے) بنائے جنہیں تم نقل مکانی اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اور ان کی اون، پشم اور بالوں سے تمہارے لیے گھر کا سامان اور کچھ مدت کے لئے معیشت بنایا)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات ہیں یعنی روٹی کپڑا اور مکان، انسان کو چاہیے اللہ کی اس تکلیق سے بھرپور فائدہ اٹھائے اور ان بنیادی انسانی ضروریات کے شعبوں میں نسبتاً زیادہ وسعت پزیری کی تگ ودو اور کوشش میں لگا رہے۔

ٹھنڈے سائے کی کیا قدر صحرا کی تپتی کے مسافر سے پوچھیں، اللہ کی خاص نعمت ہے کہ اس نے درختوں کے سائے پیدا کیے، جدید دور کا انسان عالی محلات اور عظیم الشان تعمیرات کے باوجود اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ

ایک سایہ دار درخت اس کی زندگی میں تندرستی اور خوشیوں کا ضامن ہے، قرآن حکیم نے سایہ کو اللہ کا انعام قرار دیا، آج بین الاقوامی سطح پر سبزے اور سایہ دار کی اہمیت اور ضرورت پر بہت زور ہے کیونکہ اس کے بغیر دنیا آلودی اور بوسیدگی کا ڈھیر بن جائے، پہاڑ اور گرمی و سردی کے لبادے زمین کے موسمی حالات متوازن رکھنے کے ساتھ ساتھ انسان کی خوشیوں کا سامان کی بھی فراہم کرتے ہیں، قران حکیم میں ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ [24]

(نیز اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی مخلوق (کی اکثر چیزوں) کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں کمین گاہیں بنائیں اور تمہارے لیے ایسے لبادے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور جو لڑائی کے وقت بچاتے ہیں۔ اللہ اسی طرح تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائے، پہاڑ اور گرمی و سری کے لباس بھی اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہیں اور ان کو چاہیے کہ ان میں عمومی فائدے کے علاوہ فوائد کے متنوع پہلوؤں اور جہتوں کو تلاش کرے اور اس کی ایک سورت یہ بھی ہے کہ سیر و تفریح اور سیاحت کو فروغ دیا جائے، اس ایک طرف تو جسمانی صحت میں بہتری کے مواقع ہیں دوسری طرف آمدن اور روزگار کے وسیع مواقع ہیں، پہاڑوں سے استفادہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے انتہائی پوشیدہ کام پہاڑوں میں سرنگیں کھود کر وہاں سرانجام دیے جاسکتے ہیں جس ایک طرف پہاڑوں کی ظاہری ہیئت وصورت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی تو دوسری طرف دشمن سے بچاؤ کا قابل اعتبار انتظام بھی ہو گا۔

بہرحال ماقبل گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ کائنات کی ہر چیز میں استفادہ کا عنصر موجود ہے اور انسان کو چاہیے کہ جو چیز اس کے فائدے کے لیے تخلیق کی گئی ہے اس میں استفادہ، افادہ اور فائدہ کی صورت تلاش کرکے اسے اپنے مالک وصاحب اختیار کی رضا کے تابع کردے۔

نعمتوں کے بارے میں سوال

سوم یہ کہ ان وسائل اور نعمتوں کے بارہ لازماً سوال ہوگا یعنی ان کو استعمال کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو مثبت مقاصد کے لیے یا پھر تخریبی؟ ان کو کہاں سے حاصل کیا؟ اور پھر کن مقاصد کے لیے استعمال کیا؟ قرآن حکیم نے قیامت والے دن مسؤلیت کے عمومی تصور کے ساتھ ساتھ خاص طور پر وسائل زیست اور گزران حیات سے متعلق بھی

پوچھے جانے کا خصوصی تصور دیا ہے اور یہ اسلام کے ان بنیادی تصورات میں سے ہے جس کی بنا انسان کے اعمال و افعال اور اخلاق درست سمت رہتے ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ [25]

(پھر اس دن ضرور تم سے نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی)

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کل قیامت تمام نعمتوں سے متعلق سوال ہونا ہے اور قرآن حکیم کے اس لفظ کی عمومیت میں وسائل حیات اور اسباب معیشت بھی آتے ہیں لہذا ان کے بارے میں بھی سوال ہونا لازمی، ضروری، حتمی اور یقینی ہے، اس آیت کی تفسیر میں امام المفسرین ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

ثم ليسألنكم الله عزّ وجلّ عن النعيم الذي كنتم فيه في الدنيا: ماذا عملتم فيه، من أين وصلتم إليه، وفيم أصبتموه، وماذا عملتم به[26]

(پھر تم سے اللہ ضرور ان نعمتوں سے متعلق سوال کریں گے جن میں تم دنیا میں تھے، تم نے اس سلسلہ کیا کیا؟ تم کس طریقے سے اس تک پہنچے؟ کہاں سے تم نے اس کو پایا؟ اور کس طرح ان کو استعمال کیا؟)

مذکورہ بالا آیت اور ابن جریر کی وضاحت سے یہ بات عیاں ہوئی کہ کل قیامت کے دن تمام نعمتوں بشمول مادی وسائل، کے بارہ سوال کیا جائے گا۔

انسان کو عطاء کی جانے والی نعمتوں میں سے وہ جوارح، اعضاء اور صلاحیتیں بھی ہیں جن کے ذریعے وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ مادی و غیر مادی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکے، لہذا انسان سے ان کے بارہ بھی سوال ہوگا کہ ان کو کہاں استعمال کیا؟ صلاح، اصلاح، خیر اور تعمیری و مثبت کاموں میں لگایا یا پھر گناہ، فساد اور تخریبی استعمال میں لائے؟، قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا [27]

(اور ایسی بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ اس بات کے متعلق کان، آنکھ اور دل سب کی باز پرس ہوگی)

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے انسان سے ان تمام نعمتوں اور صلاحیتوں کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا، اس آیت کی تفسیر میں امام شوکانی المتوفی فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

وَمَعْنَى سُؤَالِ هَذِهِ الْجَوَارِحِ أَنَّهُ يَسْأَلُ صَاحِبَهَا عَمَّا اسْتَعْمَلَهَا فِيهِ لأنها آلات، والمستعمل لها هُوَ الرُّوحُ الْإِنْسَانِيُّ، فَإِنِ اسْتَعْمَلَهَا فِي الْخَيْرِ اسْتَحَقَّ الثَّوَابَ، وَإِنِ اسْتَعْمَلَهَا فِي الشَّرِّ اسْتَحَقَّ الْعِقَابَ[28]

(ان جوارح کے بارہ سوال کا مطلب یہ ہے کہ اس کے صاحب سے سوال کیا جائے گا کہ ان کو کہاں استعمال کیا؟ کیونکہ وہ آلات ہیں اور ان کو استعمال کرنے والی انسانی روح ہے تو اگر ان کو خیر میں استعمال کرے گا تو ثواب کا مستحق ٹھہرے گا، اگر اس کو شر میں استعمال کرے گا تو سزا کا سزاوار ٹھہرے گا)

بہر حال ما قبل آیت اور علامہ شوکانی کی عبارت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان کو عطاء کی جانے والی نعمتوں میں سے وہ جوارح، اعضاء اور صلاحیتیں بھی ہیں جن کے ذریعے وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ مادی و غیر مادی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکے، لہذا انسان سے ان کے بارہ بھی سوال ہو گا کہ ان کو کہاں استعمال کیا؟ صلاح، اصلاح، خیر اور تعمیری و مثبت کاموں میں لگایا یا پھر گناہ، فساد اور تخریبی استعمال میں لائے؟

اللہ نے انسانی جسم میں مختلف اعضاء کو پیدا کیا، ہر ایک عضو کو ایک خاص مقصد کے لیے بنایا لیکن ان کو استعمال کرنے کا اختیار اور قدرت انسان یعنی انسانی روح کو دے دی، دل و دماغ کا کام فہم فراست بنایا، کانوں کا کام سننا اور آنکھوں کا کام دیکھنا بنایا، اب انسان کو حکم ہے کہ ان کو خوب استعمال کرے، ان سے بھرپور فائدہ اٹھائے، اگر وہ ان سے فائدہ نہیں حاصل کرتا تو اسے سوال اور جواب دہی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ ان کو کیوں استعمال نہ کیا؟ ان کے استعمال میں غفلت، سستی اور کاہلی و تکاسل کا رویہ کیوں اپنایا؟ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ [29]

(بہت سے ایسے جنّ اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لیے ہی پیدا کیا ہے، ان کے دل تو ہیں مگر ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ ایسے لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں)

اس آیت کی تفسیر میں سید محمود لکھتے ہیں:

أی لا یفقهون الحق ودلائله ولا یبصرون ما خلق الله تعالی إبصار اعتبار ولا یسمعون الآیات والمواعظ سماع تأمل وتفکر، وأیّا ما کان فالمراد أنهم لم یصرفوا ما خلق لهم لما له فکأنهم خلقوا کذلك[30]

(یعنی وہ حق اور اس کے دلائل نہیں سمجھتے اور اللہ کی تخلیق کو حقیقی طور پر نہیں دیکھتے اور آیات و مواعظ کو غور و فکر اور تامل سے نہیں دیکھتے بہر حال جو بھی ہو، مراد اس سے یہ ہے کہ وہ ان کو اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرتے جس کے لیے انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے گویا کہ وہ اسی مقصد کے لیے پیدا ہوئے ہیں)

مندرجہ آیت اور سید محمود آلوسی کی عبارت سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ نے انسانی جسم میں مختلف اعضاء کو پیدا کیا، ہر ایک عضو کو ایک خاص مقصد کے لیے بنایا لیکن ان کو استعمال کرنے کا اختیار اور قدرت انسان یعنی انسانی روح کو دے دی، دل و دماغ کا کام فہم فراست بنایا، کانوں کا کام سننا اور انکھوں کا کام دیکھنا بنایا، اب انسان کو حکم ہے کہ ان کو خوب استعمال کرے، ان سے بھرپور فائدہ اٹھائے، اگر وہ ان سے فائدہ نہیں حاصل کرتا تو اسے سوال اور جواب دہی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ ان کو کیوں استعمال نہ کیا؟ ان کے استعمال میں غفلت، سستی اور کاہلی و تکاسل کا رویہ کیوں اپنایا؟

ایک ہی جگہ رہنے سے محدود تصور ذہن میں آتا ہے جبکہ چلنے پھرنے اور سیر سے چیزوں کے متنوع پہلو سامنے آتے ہیں اور غور و فکر کے وسیع مواقع میسر آتے ہیں اور اس طرح غور و فکر مرنا عین حکم قرآنی ہے، مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنی عقل سے کام لینا ہو گا اور آنکھ و کان سے دیکھ اور سن کر غور و فکر کے لیے عمل کرنا ہو گا، اگر وہ ان اعضاء و قوی سے نفع نہیں اٹھاتا تو گویا اس میں سوچنے، سمجھنے اور دیکھنے و سننے کی صلاحیتیں مفقود ہیں، قرآن حکیم میں ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ[31]

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جو کچھ سمجھتے سوچتے اور کان ایسے جن سے وہ کچھ سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، اندھے تو وہ دل ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھانا قابل گرفت اور قابل مذمت رویہ ہے، اس آیت کی تفسیر میں ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں:

لكنهم لما لم ينتفعوا بعقولهم وأسماعهم نفى ذلك عنهم، وهو ما قال: (فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ) الظاهرة، (وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ) وهو ما نفى عنهم السمع والبصر؛ لتركهم الانتفاع بها (صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ)[32].

(لیکن جب انہوں نے اپنی عقلوں اور سماعتوں سے نفع نہ اٹھایا اور وہ جو اس نے کہا: بظاہر آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں اور وہ ان سے سماعت اور بصارت کی نفی ہے، ان کے ان سے نفع حاصل کرنے کے ترک کرنے کو (وہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں))

بہر حال مندرجہ بالا آیت اور امام ماتریدی کی عبارت سے یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ اللہ کی عطاء نعمتوں، صلاحیتوں اور اعضاء و قوی سے فائدہ نہ اٹھانا گویا ان سب سے محرومی کے مترادف ہے اور قابل گرفت و مذمت ہے۔

ماقبل بحث و تحقیق سے یہ بات پایا ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روز قیامت وسائل اور نعمتوں کے بارہ لازما سوال ہوگا یعنی ان کو استعمال کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو مثبت مقاصد کے لیے یا پھر تخریبی؟ ان کو کہاں سے حاصل کیا؟ اور پھر کن مقاصد کے لیے استعمال کیا؟ قرآن حکیم نے قیامت والے دن مسؤلیت کے عمومی تصور کے ساتھ ساتھ خاص طور پر وسائل زیست اور گزران حیات سے متعلق بھی پوچھے جانے کا خصوصی تصور دیا ہے اور یہ اسلام کے ان بنیادی تصورات میں سے ہے جس کی بنا انسان کے اعمال و افعال اور اخلاق درست سمت رہتے ہیں۔

قدرتی وسائل سے متعلق انسانی صلاحیتیں

چہارم یہ کہ اللہ نے ان نعمتوں اور وسائل سے استفادہ کی صلاحیتیں انسان میں ودیعت کر دی ہیں اور انہیں کام میں لانے کا حکم ہے، قرآن حکیم میں ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ [33]

(بہت سے ایسے جنّ اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لیے ہی پیدا کیا ہے، ان کے دل تو ہیں مگر ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ ایسے لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں)

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ [34]

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جو کچھ سمجھتے سوچتے اور کان ایسے جن سے وہ کچھ سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، اندھے تو وہ دل ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

ان دونوں آیات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ نے دل، آنکھیں اور کان دیے، ان میں سمجھنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیت رکھ دی، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ان سے کام لے اور اپنے اور انسانیت کے مادی و روحانی اور دنیوی

واخروی فوائد تلاش کرے۔ قرآن حکیم کی مذکورہ بالا دونوں آیات میں سے پہلی آیت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ جہنم میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان ان عطاء کردہ صلاحیتوں کو کماحقہ استعمال نہ کرے۔
حق اور صحیح بات کو سمجھنے اور جاننے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً کسی قابل اعتبار اور اعتماد شخص کے بتانے سے بندہ درست بات تک پہنچ جائے یا پھر خود غور و فکر اور تعقل سے صحیح بات تک رسائی حاصل کرلے، قرآن حکیم میں ہے:

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ[35]

(اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے)

قرآن حکیم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں جانے کا ایک سبب اپنی عقل کا استعمال نہ کرنا بھی ہے، گویا عقل کی صلاحیت اس قدر اہم ہے کہ حواس کے ساتھ مل کر انسان کی جنت و جہنم کا مدار بھی اس پر ہے۔
اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کی نظر میں نظر و استدلال کی خاص اہمیت ہے حتی کہ اللہ کا امر عرض ہے اور اس کو استدلال کے بغیر نہیں جانا جا سکتا۔ انسان تو خود اپنی ذات کے عوارض و احوال کو بھی نظر و استدلال کے بغیر نہیں جان سکتا، اسی سے وہ اپنے نفع و نقصان کو جان سکتا ہے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ ہلاکت میں پڑ جائے، ابو منصور ماتریدی اپنی مشہور کتاب "التوحید میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْفَقِيه أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله وَأَصله أَن الْعلم بِاللَّه وبأمره عرض لَا يدْرك إِلَّا بالإستدلال--- أَن الضَّرُورَة تبعثه على النّظر وتدفعه إِلَى الْفِكر فِيمَا يرى من أَحْوَاله وأعضائه ومنافعه ومضاره الَّتِي فِي الْجَهْل بهَا عطبه[36]۔

(فقیہ ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا: (نظر و استدلال کی) اصل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے امر کے علم تک رسائی صرف استدلال سے ہی ممکن ہے---بے شک ضرورت اس کو اپنے احوال و اعضاء کے نفع و نقصان کی سوچ میں نظر و فکر تک لاتی ہے، جن سے جہالت اس کی ہلاکت ہے)

ایک اور مقام پر نظر و استدلال اور عقل کی صلاحیت سے فوائد حاصل کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمن ألزم النّظر والبحث فَيَقُول فِي تَركه عطبه لَا محَالَة لِأَن لُزُوم النّظر لَيْسَ عقيب نظر تقدمه بل عقيب الَّذِي بِهِ يَقع النّظر والبحث وَهُوَ الْعقل الَّذِي بِهِ يعرف المحاسن والمساوئ وَبِه يعلم فَضله على سَائِر الْحَيَوَان وَبِه يعرف ملك تَدْبِير أَمر الْأَنَام۔[37]

(جو نظر و تحقیق کو لازم پکڑے گا وہ کہے گا کہ اس کے چھوڑنے میں یقیناً اس کی ہلاکت ہے کیونکہ نظر و فکر ما قبل غور و فکر کے بعد لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد ہوتی ہے جس کے ذریعے نظر و فکر ہوتی ہے اور وہ عقل ہے کہ

جس کے ذریعے اچھائی اور برائی کی پہچان ہوتی ہے اور اس سے ہی سارے جانداروں پر اس کی فضیلت جانی جاتی ہے اور اس کے ذریعے ہی لوگوں کے معاملات کی تدبیر کا ملکہ جانا جاتا ہے)

بہر حال ما قبل آیت اور دونوں عبارتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہقرآن میں کے نزدیک نظر واستدلال کی اس قدر اہمیت ہے کہ ذات باری تعالی اور اس کا اوامر کا علم اس پر موقوف اور خود انسان اپنے احوال واعراض اور نفع ونقصان کو اس کے بغیر نہیں جان سکتا، اسی سے انسان دیگر مخلوقات پر درجہ وتسخیر کے اعتبار سے فائق ہے اور اسی سے انسان کی تدبیر وانتظام کی صلاحیت کو جانا جاتا ہے اور اسی پر اس کی آخرت کا مدار ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت سے یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ سمع وعقل سے دین کی پہچان ہوتی ہے؛ سمع سے اس طرح کہ انسانوں کی اکثریت کسی نہ کسی دین کی قائل ہے، اس میں مشرکین اور جاہل بھی شامل ہیں اور اسی طرح انبیاء نے بھی دین کی دعوت دی ہے، ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں:

ثمَّ أصل مَا يعرف بِهِ الدّين إِذْ لابد أَن يكون لهَذَا الْخلق دين يلْزمهُم الإجتماع عَلَيْهِ وأصل يلْزمهُم الْفَزع إِلَيْهِ وَجْهَان أَحدهمَا السّمع وَالْآخر الْعقل[38]

(پھر وہ اصل جس کے ذریعے دین کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ ضروری ہے کہ اس مخلوق کے لیے دین ہو جو ان کو اس پر مجتمع کرے اور اصل جس طرف وہ پناہ لیں، وہ دو طریقے سے ہے؛ ان میں سے ایک سمع ہے اور دوسری عقل ہے)

بہر حال ما قبل گفتگو یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے نعمتوں اور وسائل سے استفادہ کی صلاحیتیں انسان میں ودیعت کر دی ہیں اور انہیں کام میں لانے کا حکم ہے، انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح ان صلاحیتوں کو استعمال کرنے میں ہے اور عدم استعمال پر دنیوی نقصان کے ساتھ ساتھ اخروی اعتبار سے جھنم انسان کا مقدر بن سکتی ہے۔ اعاذنا اللہ عنھا

اشیا کا دائرہ کار

پنجم یہ کہ یہ چیزیں مخصوص دائرے یعنی قوانین فطرت پر بند ہیں، انسان استفادہ کے لیے ان قوانین کو دریافت کرے اور ان کی دریافت کے ساتھ ساتھ اشیاء کائنات سے فائدہ اٹھانے کی راہ ہموار ہو گی۔۔ اللہ نے مختلف چیزوں کے تذکرے کے بعد ان کی تسخیر یعنی یہ بتلایا ہے کہ ان کو مخصوص قوانین کا پابند کر دیا گیا ہے اور انسان سے کہا گیا ہے کہ وہ ان قوانین کو دریافت کرے اور یہی درحقیقت کائنات کی اشیاء سے استفادہ کا راستہ ہے۔

خلاصہ تحقیق

میری تحقیق کا اہم پہلو یہ ہے کہ واضح کیا جائے کہ قرآن کس طرح ہمیں کائنات کی اشیاء پر جاری وساری قوانین فطرت کو دریافت کرنے پر زور دیتا ہے ؟اس اعتبار سے قرآن دیگر مذاہب سے بالکل ممتاز مقام کا حامل ہو جاتا ہے جہاں ترک دنیا کی تعلیم دی گئی ہے اور اللہ کا قرب اس صورت میں حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ دنیا کو ترک کر دیا جائے ۔ اسلام قوانین فطرت میں غور و فکر کو قرآن کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے ،اسی مقصد کو حاصل کر کے انسان مادی اشیاء سے استفادہ کے قابل بھی ہو تا ہے اور اللہ کی قدرت و معرفت بھی اسے حاصل ہو تی ہے۔

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر قوانین فطرت کی طرف اشارہ ہے اور ان قوانین کو اللہ کی قدرت اور توحید کے اثبات کے لیے پیش کیا گیا ہے، ان کے بیان سے ایک طرف یہ مقصود ہے کہ انسان اللہ کی ذات کی پہچان کرے، صرف اسی کو عبادت اور شریکوں سے پاک جانے اور دوسری طرف یہ مقصود ہے کہ انسان ان قوانین فطرت کو تلاش کر کے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے کام کرے اور تخریبی استعمال سے رکا رہے۔

سفارشات: قوانین فطرت کے بارے میں قرآنی تعلیمات کے کئی ایک اہم پہلو ہیں جن پر کام کرنا ابھی باقی ہے جن میں سے چند تحقیق کے موضوع یہ ہیں:

- قدرتی وسائل کا تحفظ: قرآنی تعلیمات کی روشنی میں
- قدرتی وسائل کی تلاش کے بارے میں احکام قرآنی
- قدرتی وسائل کے ذرائع میں مسلم امہ کی جدوجہد

حوالہ جات

[1] القرآن 212:2

Al-Qur’ ān 2:212

[2] ۔الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ) ۴:۲۷۳

Al-Tabarī, Muhammad b. Jarīr, *Jami ul Bayān fī Tāveel Qur’ān,* 4:273.

[3] ۔الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ۴:۲۷۳

Al-Tabarī, Jami ul Bayān fī Tāveel Qur’ ān, 4:273.

[4] ۔القرآن، ۳:۲۷

Al-Qur’ ān 3:27

[5] ۔الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ۶:۳۱۱

Al-Tabarī, Jami ul Bayān fī Tāveel Qur’ ān, 6:311.

[6] ۔القرآن، ۲:۲۹

Al-Qur’ ān 2:29

[7] القرآن، ۱۶:۱۲

Al-Qur’ ān 16:12

[8] ۔بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۸ھ) ۳:۲۲۱

Baizāvī, Abdullah b. ūmar, Anwār-ul-Tanzeel W Asrār Ul Tāveel, 3: 221

[9] القرآن، ۱۶:۱۳

Al-Qur’ ān 16:13

[10] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، ۳:۲۲۲

Baizāvī, Anwār-ul-Tanzeel W Asrār Ul Tāveel, 3:222

[11] ۔القرآن، ۱۶:۱۴

Al-Qur’ ān 16:14

[12] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، ۳:۲۲۲

Baizāvī, Anwār-ul-Tanzeel W Asrār Ul Tāveel, 3:222

[13] ۔القرآن، ۱۶:۱۵

Al-Qur’ ān 16:15-18

[14] القرآن، ۲:۲۹

Al-Qur’ ān 2:29

[15] ۔القرآن، ۳:۱۹۱

Al-Qur’ ān 13:19

[16] ۔الرّازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ) ۲:۴۶۲

Ar-Rāzī, Muhammad b. ūmar*, Mafātīh al- Ghaib 2:442*

[17] ۔القرآن،۳۸:۲۷

Al-Qur' ān 38:27

[18] ۔الرّازی،،،مفاتیح الغیب ۲۶:۳۸۷

Ar-Rāzī, Mafātīh al- Ghaib 26:327

[19] ۔القرآن،۱۶:۷۸

Al-Qur' ān 16:78

[20] ۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم(بیروت، درطیبہ،۱۹۹۹)،۴:۵۸۹۰

Ibn Kathīr, Ismāīl b. ūmar ,*Tafsīr Al-Qur'ān al-'Aẓīm*, 4:590

[21] ۔القرآن، ۱۶:۷۹

Al-Qur' ān16:79

[22] ۔السعدی، عبد الرحمن بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان(بیروت، موسسۃالرسالۃ ۲۰۰۰ء)۴۴۵

Al-Sādī, Abdurrahman B. Nāsir, Taiseer ul Qurān fī Tāfseer kālmil Manan

[23] ۔القرآن،۱۶:۸۰

Al-Qur' ān 80:16

[24] ۔القرآن،۱۶:۸۱

Al-Qur' ān 16:81

[25] ۔القرآن، ۱۰۲:۸

Al-Qur' ān 102:8

[26] ۔الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن ۲۴:۵۸۱

Al-Tabarī, Jami ul Bayān fī Tāveel Qur' ān, 581:24.

[27] ۔القرآن،۱۷:۳۶

Al-Qur' ān 17:36

[28] ۔الشوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر،(دمشق، دار ابن کثیر ۱۴۱۴ھ)،۳:۳۷۱

[29] ۔القرآن،۷:۱۷۹

Al-Qur' ān 7:179

[30] ۔آلوسی، سید محمود، روح المعانی،(بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۴ھ)۵:۱۱۲

Ālūsī, Syed Mahmood, *Roohul Māni*, 5:112.

[31] القرآن،۲۲:۴۶

Al-Qur' ān 22:46

[32] ۔ابو منصور ماتریدی، محمد بن محمد، تفسیر ماتریدیہ،(بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۵ء)۷:۴۲۹

Abū Mansoor Mātureedī, Muhammad b. Muhammad, *Tafseer M Mātureediya,* 7:429.

[33] ۔القرآن،۷:۱۷۹

Al-Qur' ān 7:179

[34] ۔القرآن،۲۲:۴۶

Al-Qur' ān 22:46

[35] ۔القرآن، ۶۷:۱۰

Al-Qur’ ān 67:10

[36]۔ابو منصور ماتریدی، التوحید، (اسکندریہ، دار الجامعات المصریہ) ۱۳۷

Abū Mansoor Māturееdī, *Tafseer M Māturееdiya,* 137.

[37] ۔ابو منصور ماتریدی، التوحید، (اسکندریہ، دار الجامعات المصریہ) ۱۳۷

Abū Mansoor Māturееdī, *Tafseer M Māturееdiya,* 137.

[38]۔ابو منصور ماتریدی، التوحید، ۴

Abū Mansoor Māturееdī, Al-Tauheed, 4